آزادی بیان: قانونی حق یا مذہبی فرض

اسلامی اور مغربی نظریہ کا تقابلی جائزہ

پروفیسر علامہ سید علی محمد نقوی صاحب قبلہ، علی گڑھ

بظاہر یہ تصور ہوتا ہے کہ آزادی فکر اور بیان جدید مغربی تہذیب کی دین ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ موجودہ مغربی تہذیب کے ظہور سے صدیوں پہلے اسلام نے آزادی فکر اور آزادی بیان کی نعمتوں سے انسانی معاشرہ کو مالا مال کر دیا تھا۔

اسلام کے ظہور کے بعد حضرت محمدؐ نے مدینہ میں جو پہلا اسلامی معاشرہ قائم کیا، وہ آزادی بیان کا جیتا جاگتا نمونہ ہے۔ مدینہ اسلامی حکومت کا مرکز تھا مگر وہاں عیسائی، یہودی، مشرک، دہریہ سب آتے اور اپنے نظریات پیش کرتے تھے۔ یہاں تک کہ عبداللہ بن اُبی جیسے کھلے منافق اور اس کے ساتھیوں کو چھوٹ تھی کہ وہ اپنے نظریات بیان کریں، جب کہ وہ اس آزادی سے غلط فائدہ بھی اٹھاتے تھے۔

بحارالانوار میں ایک روایت ہے جس میں امیرالمومنین حضرت علیؑ نے مدینہ میں بین مذاہب آزاد گفتگو کا حال بیان فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں:

ایک دن یہودی، عیسائی، دہریہ اور مشرک علماء حضرت پیغمبرؐ کے پاس مسجد نبوی میں حاضر ہوئے۔ یہودی پیشوا نے کہا محمد ہمارا عقیدہ ہے عزیر خدا کے بیٹے ہیں۔ آپ کا اس بارے میں کیا نظریہ ہے؟ اسی طرح دوسرے فرقوں کے علماء آئے اور ہر ایک نے اپنا نظریہ پیش کیا۔ حضرت پیغمبرؐ نے ان کے بیان عقائد پر اظہار ناراضگی نہیں کیا بلکہ خندہ پیشانی اور خوش اسلوبی سے دلائل کے ساتھ ان کا جواب دیا۔

(علامہ مجلسی، بحارالانوار، ج۹ ص۲۶۷-۳۵۷)

امیرالمومنین حضرت علیؑ کی بھی یہی روش تھی۔ آپ تمام مخالف نظریات کو سنتے اور پھر استدلالی طور پر جواب دیتے تھے۔ اسی روش کا جیتا جاگتا ثبوت نہج البلاغہ میں بھی موجود ہے۔ روایات میں یہودی، عیسائی، ملحد علماء اور زنادقہ کے ساتھ آپ کی گفتگوئیں نقل ہوئی ہیں۔

علامہ مجلسی نقل کرتے ہیں کہ جب امامؑ نے بھری مجلس میں مشہور جملہ ارشاد فرمایا کہ سَلُوْنِیْ سَلُوْنِیْ، قَبْلَ اَنْ تَفْقِدُوْنِیْ تو ایک جسور یہودی کھڑا ہو گیا اور اس نے یہ جسارت آمیز جملہ کہا: اَیُّھَا الْمُدَّعِیُّ لِمَا لَاْ تَعْلَمُ وَالْمُتَقَدِّمُ لِمَا لَاْ تَفْھَمُ اَنَا اَسْأَلُکَ فَاَجِبْ۔

(علامہ مجلسی: بحارالانوار، ج۱۰ ص۱۲۶)

امام کے اصحاب برانگیختہ ہو گئے، مگر امام نے سب کو بٹھا دیا کہ یہ جو پوچھتا ہے اسے پوچھنے دو۔

آزادی بیان کا یہ اعلیٰ ترین نمونہ ہے۔ دنیا جس سے آگے نہیں جا سکتی۔ ایک معمولی یہودی اس کے دربار میں جسارت کر رہا ہے جو عظیم اسلامی سلطنت کا خلیفہ اور اس

وقت کی سپر پاور کا فرمانروا ہے، جس کی سلطنت اتنی وسیع ہے کہ ایران، عراق، عربستان، یمن اس کے صوبے ہیں۔ یہ تاریخ بشر کا زریں صفحہ ہے۔ آج دنیا آزادی بیان کے لاکھ دعوے کرے، اس علوی نمونہ سے آگے نہیں جا سکتی۔

ائمہ علیہم السلام کی سیرت میں بھی ایسے ہی نمونے ملتے ہیں۔ امام باقرؑ، امام جعفر صادقؑ کے دور میں آزادی فکر اور آزادی بیان کا نمونہ ماحول تھا۔ اموی حکومت کمزور ہوگئی تھی جس کی وجہ سے ائمہ اطہار کو موقع ملا کہ آزادی بیان کے سلسلہ میں مدینہ میں خاص اسلامی فضا بنادیں۔ امام باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ کی مجلس میں اس دور کے بڑے (Materialist) مادہ پرست، ملحد اور زندیق، جیسے ابن ابی العوجاء اور ابوشاکر دیصانی حاضر ہوتے اور امام آزادی بیان کے ماحول میں ان سے گفتگو فرماتے تھے۔ روایت میں اس کے بہت سے شواہد موجود ہیں۔

علامہ مجلسی بحارالانوار میں نقل کرتے ہیں: ابن ابی العوجاء اپنے ملحد ساتھیوں کے ساتھ مسجد نبوی میں بیٹھ کر اپنے نظریات پیش کر رہا تھا کہ کائنات کا کوئی خالق نہیں۔ جب خدا ہی نہیں تو خدا کے رسول کا تصور ہی کیا ہے؟ حضرت محمدؐ تو معمولی انسان تھے (معاذ اللہ کوئی رسول پیغمبر نہیں تھے) جس وقت وہ یہ نظریہ پیش کر رہا تھا مفضل جو امام جعفر صادقؑ کے مخصوص اصحاب میں سے تھے، اتفاق سے وہاں پہنچ گئے۔ انھوں نے یہ کفر آمیز باتیں سنیں تو طیش میں آگئے اور کہا:

''دشمن خدا! یہ ہمت کہ کائنات کے خالق اور مدبر کا انکار کر رہا ہے!''

ابن ابی العوجاء مفضل کو نہیں پہچانتا تھا۔ اس نے کہا: ''تم کیوں ناراض ہو رہے ہو۔ اگر اہل کلام (یعنی معتزلہ میں سے) ہو تو آؤ عقلی گفتگو کرو اور اگر امام جعفر صادقؑ کے شاگردوں میں سے ہو، تو جان لو کہ تمہارے امام کی یہ روش نہیں۔ تمہارے امام ہم سے اس لہجہ میں گفتگو نہیں کرتے۔ وہ ہماری باتیں صبر اور حوصلہ کے ساتھ سنتے ہیں، اس کے بعد نرمی اور مہربانی کے ساتھ جواب دیتے ہیں۔ اس وقت تک بولتے نہیں جب تک ہم اپنی بات ختم نہ کرلیں۔ اور اس طرح غور سے ہماری باتیں سنتے ہیں کہ ہم کو غلط فہمی ہو جاتی ہے کہ شاید یہ ہماری دلیل اور نقطہ نظر کو قبول کر رہے ہیں۔ اگر ان کے دوستوں میں سے ہو تو ہم سے اسی انداز میں گفتگو کرو۔''

(علامہ مجلسی: بحارالانوار، ج ۳ ص ۱۵۳)

اس زرین روایت میں تین اہم نکتے ہیں کہ مسلمان ان پر ناز کر سکتے ہیں۔ پہلے تو یہ کہ جب مسلمانوں کی حکومت افریقہ سے ایشیا اور یورپ تک قائم تھی، اس وقت آزادی بیان کی یہ فضا تھی کہ ایک میٹریالیسٹ مدینہ کی مسجد نبوی میں بیٹھ کر نہ تنہا خدا بلکہ حضرت محمدؐ کی نبوت کا بھی انکار کر رہا تھا۔ ایسی آزاد فضا تھی کہ ملحد اور زندیق جو گویا اس دور کے کمیونسٹ تھے، مسجد میں بیٹھ کر اپنا نظریہ پیش کرتے تھے۔ بنی امیہ نے سیاسی سرکوبی اور فاشزم ضرور قائم کر رکھا تھا مگر ائمہ اہلبیتؑ کے صدقہ میں فکری آزادی کی فضا قائم ہو رہی تھی۔

دوسرا نکتہ یہ ہے کہ ابن ابی العوجاء کا اہل کلام یا اصحاب امام صادقؑ کی طرف اشارہ، اس بات کا غماز ہے کہ اس دور میں فکری مباحث میں معتزلہ اور شیعہ ہی پیش پیش تھے۔

تیسرے اس دور کا سب سے بڑا ملحد امام جعفر صادقؑ کا وہ مثالی نمونہ بیان کر رہا ہے جو آج بھی بین مذاہب گفتگو (Inter-faith dialogue) کے اصول وضوابط متعین کر سکتا ہے۔ امام نے جو درس دیا کہ آزادانہ فضا میں گفتگو کیسے کی جائے، دنیا کا کوئی بھی آزاد خیال معاشرہ اس سے آگے نہیں جا سکتا۔

امام رضا علیہ السلام کے زمانہ میں خلیفہ مامون الرشید نے بین مذہبی ڈائیلاگ اور گفتگو کی تاریخی کاؤنسل بنائی۔ یورپ اور امریکہ میں تو مذہبی ڈائیلاگ (Inter-faith dialogue) کا رواج اب ہو رہا ہے۔ بین مذہبی مفاہمت کا آغاز انیسویں صدی کے آخر میں ہوا جب سوامی وویکانند، شکاگو میں بین المذاہب پارلیمنٹ میں شریک ہوئے۔ جب کہ اسلامی تاریخ میں ایک ہزار سال پہلے امام رضاؑ کے زمانے میں خلیفہ مامون الرشید نے بین المذاہب ڈائیلاگ (Inter-faith Dialogue) کی اعلیٰ کاؤنسل قائم کی۔ اس مجلس میں مذہبی مسائل اور اختلافات پر آزادانہ گفتگو ہوتی تھی۔ سوامی وویکانند کو شکاگو میں ۱۸۹۸ء میں مدعو کیا گیا، جب کہ مامون الرشید کی اعلیٰ مجلس میں مسیحی اسقف اعظم جاثلیق، یہودیوں کا سب سے بڑا مذہبی پیشوا راس الجالوت، زردشتیوں کا سب سے بڑا پیشوا ہربذ اکبر اور صابئ فرقہ کے پیشوا شریک ہوتے تھے۔ جس مجلس میں اسلام کی نمائندگی حضرت امام رضا علیہ السلام فرماتے ہوں وہ کیسی مجلس ہوگی؟ خلیفہ مامون الرشید کی موجودگی میں ہر ایک کھل کر اپنے نظریات اور شکوک وشبہات پیش کرتا اور امام رضا علیہ السلام اور ان کے ساتھی سب کا استدلالی طور پر جواب دیتے تھے۔ مسلمانوں کے لئے حضرت محمدؐ اور ائمہ اطہارؑ کی سیرت واجب الاتباع ہے۔ مسلمانوں کا فرض ہے ان کی پیروی کریں۔ اس طرح آزادی فکر اور آزادی بیان کی فضا بنانا مسلمانوں کے لئے مذہبی فرض کا درجہ رکھتا ہے۔

آزادی فکر اور آزادی بیان کا یہ وہ مثالی نظام ہے جس کو اسلام قائم کرنا چاہتا ہے۔ پیغمبر اکرمؐ اور سچے پیشواؤں کی کوشش سے اس کی جھلک اسلامی معاشرہ میں دیکھنے میں آتی تھی۔ ورنہ یہ صحیح ہے کہ پیغمبرؐ کی رحلت کے بعد قریش کی جاہلیت کا نظام رفتہ رفتہ واپس آیا اور جب ابوسفیانیت حاکم ہوگئی تو آزادی کا گلا گھونٹا گیا۔ جب اسلامی حکومت ملوکیت میں تبدیل ہوگئی اس وقت سے حاکم طبقہ پر ہر طرح کی تنقید کا دروازہ بند کر دیا گیا۔ تاریخ اسلام میں رحلت پیغمبرؐ کے بعد ہی وہ صورت آئی کہ آزادی بیان کی بناء پر ابوذر کو جلاوطن کر دیا گیا۔ امیر معاویہ کے دور میں حجر بن عدی اور ان کے ساتھیوں کو حق گوئی کی بناء پر قتل کر دیا گیا اور میثم کی زبان کاٹ دی گئی۔ حجاج نے عبداللہ بن عمر کو خاموش رہنے یا قتل پر تیار ہو جانے کی دھمکی دی۔ مگر مندرجہ بالا نمونوں سے ثابت ہوتا ہے کہ آزادی بیان کے سلسلہ میں پیغمبرؐ اور ائمہؑ کا اسوہ اور اسلام کی تعلیمات اتنی روشن تھیں کہ ابھی بھی علمی اور فکری مسائل میں، کھلی گفتگو کی چھوٹ تھی۔ ہاں جب مغلوں کے حملہ اور پھر ترکوں کی بالا دستی کے بعد اسلامی معاشری فکری زوال کا شکار ہوا، تو آزادی فکر کی فضا بھی ختم ہوگئی۔

آزادی بیان کے سلسلہ میں مغربی اور اسلامی نظریہ کا تقابلی جائزہ:

اس طرح مغربی تہذیب کے ظہور سے بہت پہلے اسلامی معاشرہ میں جسے پیغمبر اکرم حضرت محمدؐ نے قائم کیا اور جس کو دوسرے مقدس پیشواؤں نے قائم رکھنے کی کوشش کی، آزادی فکر اور آزادی بیان کے اصول حاکم تھے۔

جس وقت اسلام دشمن عناصر کے ہاتھ میں مسلمانوں کی حکومت پہنچی اور پھر جب مسلمانوں کا تہذیبی اور فکری زوال شروع ہوا اس وقت سے مسلمان معاشرہ فکری جمود کا شکار ہونے لگا اور اس پر گھٹن کا ماحول طاری ہوگیا۔ آج اگر دنیا میں ایک بار پھر آزادی فکر، آزادی بیان اور حقوق انسانی کی تحریک شروع ہوتی ہے تو یہ روح اسلامی کے عین مطابق اور اسی سمت میں ہے جس کی قرآن، احادیث اور سیرت پیغمبرؐ اور معصومین نے نشاندہی کی تھی۔ اس لئے مسلمانوں کو اس تحریک کو آگے بڑھانا چاہئے اور مسلم معاشرہ میں یہ فضا قائم ودائم کرنا چاہئے۔

اسی کے ساتھ ہی ساتھ اس بات کی کوشش بھی کرنی چاہئے کہ حقوق انسانی اور آزادی بیان کے سلسلہ میں ہم مغرب کی کورانہ تقلید نہ کریں بلکہ ان اصولوں کو اسلامی بنیادوں پر استوار کریں۔

اسلام نے آزادی فکر اور آزادی بیان کا جو تصور دیا ہے وہ مغربی تصور سے کہیں زیادہ گہرا ہے۔ مغربی تصور میں آزادی بیان ایک سیاسی سماجی حق ہے مگر اسلام میں یہ ایک مقدس مذہبی فرض ہے۔

آزادی، فقط مقدس مذہبی فرض اور خداوند کی موہبت ہی نہیں انسان کے وجود کے ملکوتی پہلو کا خاصہ ہے۔ مغربی نظام میں آزادی کی سیاسی سماجی حیثیت ہے۔ اسلام میں اس کی وجودی حیثیت ہے۔ آزادی اور حریت فطرت انسانی کا خاصہ ہے۔ مذہبی طرز فکر میں انسان ایک حیوان نہیں بلکہ کچھ اور بھی ہے۔ قرآن کریم نے خلقت انسان کے حق میں جسمانی ساخت کے مراحل کا ذکر کرنے کے بعد کہا ہے: ''فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي۔''[۱] اس طرح فطرت انسانی اسی عنصر ملکوتی یا نفخۂ الٰہی کا نتیجہ ہے اور آزادی وحریت خواہی اسی فطرت کا تقاضا ہے۔ اس لئے سمجھا جاسکتا ہے کہ سماج اور سیاسی نظریات کے مقابلہ میں مذہب نے آزادی اور حریت کو کتنا عظیم اور مقدس درجہ دیا ہے۔ اسی فطرت انسانی کو جلاء بخشنے اور انسان کو ''سیر الی اللہ'' کے مراحل کے لئے تیار کرنے کے لئے انبیاء اور پیغمبر بھیجے گئے۔ انبیاء اور پیغمبروں کی بعثت کا ایک بنیادی مقصد ان زنجیروں کو توڑنا ہے جس میں انسان جکڑا جاتا ہے۔

[۱] سورہ الحجر، آیت: ۲۹ نیز رجوع ہو سورہ ص، آیت: ۷۲

''وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ۔'' (سورہ الاعراف، آیت: ۱۵۷)

اغلال یا ان زنجیروں میں جن کو توڑنے کے لئے انبیاء کا ظہور ہوا ہے انسان کی آزادی فکر اور آزادی بیان پر پابندیاں بھی شامل ہیں۔ بعثت انبیاء کا اصل مقصد فطرت انسانی کو جلا بخشنا اور سیر الی اللہ کی راہ ہموار کرنا ہے۔ قرآن

اس ضمن میں ایک مقصد ان زنجیروں کو توڑنا بتاتا ہے جس میں انسان جکڑا ہوا ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ آزادی فکر اور آزادی بیان اور انسانی حریت سیر الی اللہ کے مقدس انسانی سفر کی ضروری منزلیں ہیں۔ اس طرح اسلامی نظریہ میں آزادی ایک مقدس الٰہی اور ماورائی (Metaphysical) حقیقت ہے، صرف ایک سیاسی اور سماجی نظریہ نہیں۔

قرآن میں قلم اور بیان کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ قرآن کریم میں خود خداوند قلم کی قسم کھاتا ہے: ''نٓ وَالْقَلَمِ وَمَایَسْطُرُوْنَ۔'' (سورہ القلم، آیت:۱)

انداز قرآنی یہ ہے کہ کسی چیز کی بے انتہا اہمیت اور عظمت ظاہر کرنے کے لئے خداوند اس کی قسم کھاتا ہے۔

اسی طرح انسان کے لئے خداوند کی بنیادی نعمتوں کے بیان کے ضمن میں قرآن کریم نے فرمایا کہ: ''عَلَّمَهُ الْبَیَان۔''

آزادی قلم اور آزادی بیان خداوند کی اس موہبت کے دفاع کا نام ہے۔ اس لئے اسلام میں اس کی جو اہمیت ہے وہ ظاہر ہے۔

معصومینؑ کی احادیث میں بھی آزادی بیان پر بڑا زور ہے۔ اسماعیل ابوالبصیر نقل کرتے ہیں امام جعفر صادق ۔نے اپنے دوستوں کے ایک گروہ سے فرمایا۔

''کیا تم کو ایسا ماحول میسر ہے کہ آزادی کے ساتھ اکٹھا ہوسکو۔ ایک دوسرے سے گفتگو کرسکو اور جو چاہو کہہ سکو؟ انھوں نے جواب دیا: جی ہاں! امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ زندگی کی لذت اس کے علاوہ کیا ہے؟

امام کے نزدیک وہ سماج جہاں زبان و ذہن پر قفل لگے ہوں یا قلم پر پہرے ہوں زندگی کی لذت سے محروم ہے۔

قرآن نے تدبر اور تعقل پر بڑا زور دیا ہے۔ قرآن کی تاکید ہے کہ تم خود اپنی عقل کا استعمال کیوں نہیں کرتے اور باپ دادا کی اندھی تقلید کیوں کرتے ہو؟

ذہنی خلاقیت کو آزادی کی فضا میں ہی جلا ملتی ہے۔ اگر آزادی فکر اور آزادی بیان نہ ہو تو تعقل اور تدبر کا مفہوم ہی نہیں۔

جیسا کہ امام صادقؑ نے مندرجہ بالا ارشاد میں فرمایا ہے: آزادی سے محروم معاشرہ، مردہ معاشرہ ہے۔ ہم کو اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھنا چاہئے کہ ہم نے ذہن پر قفل لگانے اور قلم توڑنے کی کوشش تو نہیں کی! ورنہ سمجھنا چاہئے ہمارا معاشرہ وہ معاشرہ ہے جسے امام صادق ۔مردہ معاشرہ کہتے ہیں۔ اسلامی تصور کے لحاظ سے آزادی خداوند متعال کی نعمت اور موہبت ہے اور اس کی مقدس حیثیت ہے۔ انسان صرف انسان کی حیثیت سے ہی نہیں بلکہ خدا کے بندہ کی حیثیت سے بھی ذمہ دار ہے کہ نہ صرف آزادی بیان کا لحاظ رکھے بلکہ اس مقدس حق کا دفاع بھی کرے۔ اور اگر ضرورت ہو تو کلمہ حق کے بیان کے لئے میثم کی طرح زبان بھی کٹوا دے اور جان کی بازی لگا دے۔ تقدس کا یہ درجہ صرف مذہب ہی دے سکتا ہے۔ مغربی سیکولر نظریہ میں تقدس کا یہ عنصر آ ہی نہیں سکتا۔

دوسرا پہلو یہ ہے کہ آزادی بیان اور اس کا پاس ولحاظ اور دفاع، اسلام میں عبادت (Act of worship) کا درجہ رکھتا ہے۔ ہر وہ عمل جس کے ساتھ خدا کا تصور شریک ہو اسلام میں عبادت کا درجہ رکھتا ہے۔

آزادی بیان حق یا مذہبی فرض

اسلامی اور مغربی تصور میں ایک اہم فرق یہ ہے کہ مغرب میں آزادی بیان ''انسانی حق ہے'' مگر اسلام میں صرف حق نہیں بلکہ تکلیف یا مذہبی ذمہ داری ہے۔ حق (Right) کو تو انسان چاہے استعمال کرے اور چاہے استعمال نہ کرے بلکہ تکلیف (Obligation) کی حیثیت فرض کی سی ہے جس کو انجام دینا ہی ہے۔ مغربی نظریہ میں آزادی بیان صرف حق ہے، اسلامی نظریہ میں حق بھی اور مذہبی ذمہ داری (تکلیف) بھی اور مذہبی طور پر اس کی حیثیت واجب کی ہے۔

مندرجہ ذیل نکات ہیں جن کی بناء پر ثابت ہوتا ہے کہ اسلامی نظام میں آزادی بیان کی حیثیت فرض اور واجب کی ہے۔

یہ بات اسلامی اصول فقہ اور اصول استنباط میں ثابت ہے کہ مقدمہ واجب بھی واجب ہوتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی چیز واجب ہے تو اس کی شرائط اور وہ چیز جس پر اس کا دارومدار ہے، واجب ہوگی۔ مثلاً نماز واجب ہے تو واجب نماز کے لئے وضو بھی واجب ہوگا۔ اب ملاحظہ کیجئے مندرجہ ذیل امور کی حیثیت اسلام میں فرض اور واجب کی سی ہے اور یہ امور اسی وقت انجام پا سکتے ہیں جب آزادی بیان موجود ہو اس لئے آزادی بیان کی حیثیت واجب کی سی ہوگی۔ مندرجہ ذیل امور مسلمان معاشرہ میں فرض کی حیثیت رکھتے ہیں اور قرآنی آیات اور احادیث میں ان کا حکم دیا گیا ہے۔

۱- امر بہ معروف و نہی از منکر:

امر بہ معروف اور نہی از منکر مسلمانوں پر ویسے ہی واجب ہیں جیسے نماز و روزہ ان کی حیثیت بھی عبادت کی سی ہے۔ یہ اسلام کا اہم حکم ہے۔ قرآن مجید کی آیات، پیغمبر اکرم کی احادیث، نہج البلاغہ کے ارشادات اور ائمہؑ کے اقوال سے امر بہ معروف اور نہی از منکر کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

امر بہ معروف کا اور نہی از منکر کا مفہوم ہے کہ مسلمان معاشرہ اور سیاسی حکمرانوں اور دوسرے افراد کی خامیوں کی کھلی تنقید کریں اور ان کو صحیح اسلامی راہ پر چلنے کی تلقین کریں۔ امر بہ معروف کا دائرہ صرف ڈاڑھی رکھو اور نماز پڑھو کی حد تک نہیں بلکہ سماجی اور سیاسی کجروی اور انحراف کے مقابلہ میں کھلی تنقید کے معنی میں ہے۔ یہ اسی وقت ہوسکتا ہے جب معاشرہ میں آزادی بیان اور آزادی قلم حاکم ہو۔ اسلام کے مطابق ہر فرد کی ذمہ داری ہے کہ حاکم طبقہ اور معاشرہ کو راہ راست سے نہ بھٹکنے دے۔ پیغمبر اکرمؐ نے مشہور حدیث میں فرمایا: ''کُلُّکُمْ رَاعٍ وَ کُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ۔''

(محمدری شہری: میزان الحکمۃ، ج۶ ص ۳۲۷)

اس کا مفہوم یہ ہے کہ سماج میں ہر فرد اچھائی کو بڑھانے اور برائی کو روکنے کا ذمہ دار ہے۔ یہ کام اسی وقت ہوسکتا ہے جب آزادی بیان اور آزادی قلم اور آزادی فکر کا ماحول ہو۔

پیغمبر اکرمؐ اور سچے پیشواؤں کے زمانہ میں یہی ماحول حاکم تھا، جیسا کہ ہم نے مختلف مثالوں میں دیکھا۔ مگر جب اسلامی حکومت ملوکیت بن گئی۔ اس وقت سے حاکم طبقہ پر ہر طرح کی تنقید کا دروازہ بند کر دیا گیا اور جب اسلامی

معاشرہ جہالت اور جمود کا شکار ہوا اس وقت سے عوامی عقائد اور سماجی رسم و رواج پر بھی تنقید کی راہ مسدود ہو گئی۔ اس دور کے مقدس مآب حضرات نے امر بہ معروف اور نہی از منکر کا دائرہ 'ڈاڑھی رکھو' مونچھیں مت بڑھاؤ، سر کے بال کاٹو، ٹوپی منڈھو، یا زیادہ سے زیادہ ''نماز پڑھو'' کی حدود تک محدود کر دیا۔ مگر اسلامی نظریہ میں تو امر بہ معروف و نہی از منکر بڑا وسیع اصول ہے جس کو مصلحت پرستوں نے سمیٹ دیا۔ امر بہ معروف کے وسیع اصول پر عمل آزادی بیان کا محتاج ہے کیونکہ امر بہ معروف فرض اور واجب ہے اس لئے آزادی بیان کی فضا بنانا بھی فرض اور واجب ہے۔

اصل شوریٰ:

اسلام میں اصل شوریٰ پر بڑا زور دیا گیا۔ شوریٰ کا مفہوم یہ ہے کہ مسلمانوں کے سیاسی، اقتصادی اور معاشرتی فیصلے باہمی مشورہ کی بنا پر ہونا چاہئیں۔ ہر شخص کی ذمہ داری ہے کہ کھل کر مشورہ دے اور جو صحیح سمجھے کہے۔ پھر ان سب مشوروں کی روشنی میں فیصلہ کیا جائے۔ اسلام میں شوریٰ کی اہمیت کے لئے یہی کافی ہے کہ قرآن کریم میں خداوند نے رسول اکرمؐ کو حکم دیا ہے:

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ۔

''امور میں مسلمانوں سے مشورہ کر لیجئے۔''

اس کی بناء پر جنگ بدر واحد اور خندق کے موقع پر رسولؐ خدا نے اپنے اصحاب سے مشورہ کیا۔ حدیث میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ مختلف مسائل میں مشورے مانگیں نیز تاکید کی گئی کہ سب کھل کر اپنی رائے پیش کریں۔ معصومؑ نے فرمایا:

''مَنْ شَاوَرَ الرِّجَالَ شَارَكَهُمْ فِي عُقُوْلِهِمْ۔''

نہج البلاغہ میں حضرت امیر المومنینؑ نے ارشاد فرمایا:

''ایک رائے کو دوسری رائے کے مقابل قرار دو چونکہ آراء کے تصادم سے حقیقت سامنے آتی ہے۔ جیسے جب دودھ متھا جاتا ہے تبھی گھی نکلتا ہے۔''

جب امیر المومنینؑ کو مسلمانوں نے خلیفہ ظاہری کی حیثیت سے بھی منتخب کیا تو آپ نے فرمایا:

''تم پر میرا حاکم کی حیثیت سے یہ حق ہے کہ تم اس بیعت پر قائم رہو جو تم نے مجھ سے کی ہے اور مجھے صحیح مشورہ دو اور نصیحت کرو۔'' (شیخ کلینی: اصول کافی، ج ا ص ۴۰۳)

''شوریٰ'' کی اہمیت اس حد تک تھی کہ بعض مسلمانوں نے تو اس کو نص کے مقابلہ میں قرار دے لیا جو صحیح نہ تھا، یعنی اگر کسی چیز کا اعلان قرآن یا حدیث پیغمبرؐ میں ہو جائے تو پھر اس کے مقابلہ میں مسلمان مشورہ اور شوریٰ سے کچھ اور فیصلہ نہیں کر سکتے، مگر عام حالات میں شوریٰ اسلامی سیاسی اور معاشرتی نظام کی بنیاد ہے۔ شوریٰ اور مشورہ کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ آزادی بیان اور آزادی فکر موجود ہو اور جو جیسا سمجھ رہا ہے ویسا بیان کر سکے۔ اس طرح شوریٰ کے حکم سے بھی یہ بات ظاہر ہے کہ آزادی فکر اور آزادی، اسلام میں صرف حق نہیں بلکہ مذہبی فرض ہے۔ حکومت اور معاشرہ کا فرض ہے آزادی کا ماحول بنائے۔

نہی از کتمان حق:

اسلام کے نزدیک کتمان حق یعنی حق بات کو چھپانا

بہت بڑا گناہ اور حرام ہے، اس طرح سچ بات اور حق کا اعلان اور ظاہر بہ ظاہر کہنا واجب ہے۔ قرآن مجید کی آیات اور معصومینؑ کی احادیث میں کتمان حق (حق چھپانے) کی سخت مذمت ہوئی ہے اور شدت کے ساتھ اس سے منع کیا گیا ہے۔

''کہئے کہ یہ ہے میرا راستہ، میں اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں، میں بھی اور وہ بھی جو میرا پیرو ہے، اللہ کی ذات ہر برائی سے پاک ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں۔''

(سورہ یوسف، آیت: ۱۰۸)

یہاں اس جملہ سے کہ ''وہ بھی میرا پیرو ہے۔'' صاف ظاہر ہے کہ اعلان حق ہر مسلمان کا فرض ہے اور اس پر عمل نہ کرنا ایک طرح کا شرک آمیز عمل ہے۔

قرآن مجید نے مختلف آیات میں ان لوگوں کی سخت مذمت کی ہے جو لالچ، طمع یا خوف سے حق کو چھپاتے ہیں۔

لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَکْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔

کیوں حق کو باطل کے ساتھ خلط ملط کرتے اور اصلی حق کو چھپاتے ہو، حالانکہ تم جانتے ہو۔

(سورہ آل عمران، آیت: ۷۱)

جو حق کا اعلان نہ کرے اور اسے چھپائے، قرآن مجید اس کو سب سے بڑا ظالم گردانتا ہے۔

''وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ کَتَمَ شَھَادَۃً عِنْدَہٗ مِنَ اللّٰہِ وَمَا اللّٰہُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ۔'' (سورہ بقرہ، آیت: ۱۴۰)

اور اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جو کسی گواہی کو جو اس کے پاس اللہ کی طرف سے ہے چھپائے، اور اللہ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں۔

بہت سی آیات ہیں جن میں قرآن مجید نے ان افراد کی سخت مذمت کی ہے جو حق کو چھپاتے ہیں اور اپنے افکار کا سنسر (Censor) کرتے ہیں۔ خود سنسری (Self-Censorship) ایسے معاشرہ کی نشاندہی کرتی ہے جہاں آزادی فکر اور آزادی بیان کا ماحول نہیں۔ اعلان حق کے سلسلہ میں علماء کی ذمہ داری بہت زیادہ ہے ان کو ہمیشہ وہ ہی بات کہنا چاہئے جو حق بات ہو چاہے کسی کو پسند آئے یا ناگوار ہو۔ حدیث میں ارشاد ہوا ہے:

''جب میری امت میں بدعت پھیل رہی ہو اس وقت علماء کا فرض ہے اپنا علم ظاہر کریں ورنہ خداوند کی لعنت کے مستحق ہوں گے۔''

ہر حال میں حق بات کہنا اور جس چیز کو صحیح سمجھیں، اس کو نہ چھپانا اسی وقت ممکن ہے جب معاشرہ میں آزادی فکر اور آزادی بیان کا ماحول ہو۔ اس طرح اسلام میں آزادی بیان کی حفاظت واجب ہے۔

اصول جدال احسن:

قرآن مجید میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ ''جدال احسن'' کی روش اپنائیں۔

''اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ۔''

اپنے پروردگار کے راستے کی طرف دعوت دیجئے، حکمت اور اچھے عنوان سے وعظ و نصیحت کے ساتھ اور ان

سے نرمی اور بہترین طریقہ سے بحث کیجئے۔

قرآن کریم مختلف نظریات کے درمیان اور اختلافی نقطہ نظر رکھنے والوں کے درمیان بحث و گفتگو کا اصول بتا رہا ہے۔ ''پروردگار کا راستہ'' حق اور سچائی کا راستہ ہے انسان جس بات کو حق سمجھتا ہے اس کا اعلان کرے لیکن دوسرے پر تھوپنے کا حق اس کو نہیں ''جدال احسن'' کے مفہوم میں استدلال، نرمی اور خوش اسلوبی داخل ہے، ''زور، زبردستی جدال احسن'' کے اصول کے خلاف ہے۔ جدال احسن، کی روش یہ ہے کہ دوسرے نقطہ نظر کے افراد کے نظریہ کو سن کر استدلالی طور پر اور اچھے انداز میں اپنا نظریہ پیش کیا جائے تاکہ اگر ان کو پسند آئے تو یہ نظریہ اپنا لیں۔ قرآن مسلمانوں کو حکم دیتا ہے غیر افراد کے سامنے اسلام کو یوں پیش کریں۔ یہ روش آزادی فکر اور آزادی بیاں کی روش ہے۔ ''جدال غیر احسن'' جو حرام ہے، یہ ہے کہ زور، زبردستی سے دوسرے کو خاموش کیا جائے اور اپنا نقطہ نظر اس پر مسلط کیا جائے۔ اسلام اس روش سے مسلمانوں کو منع کرتا ہے۔

آزاد اندیشی اور استدلالی گفتگو کا حکم:

قرآن مجید مسلمانوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ ہمیشہ استدلالی گفتگو کریں، مخالفین سے بھی قرآن کا یہی تقاضا ہے کہ جو کہیں اس کے بارے میں دلیل دیں۔ قرآن مجید کی بہت سی آیات میں یہ ''برہان طلبی'' موجود ہے۔

قُلْ ھَاتُوْا بُرْھَانَکُمْ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ۔

(سورہ بقرہ، آیت:۱۱۱)

''اگر تم سچے ہو تو اپنی دلیلیں لاؤ۔''

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن مجید نے مخالفین کو بھی یہ آزادی دی ہے کہ وہ اپنی دلیلیں اور اپنے نظریے پیش کریں۔ خود قرآن کریم کی یہ روش ہے کہ وہ مخالفین کے کفر آمیز ترین الزامات کو بھی نقل کرتا ہے پھر استدلالی طور پر اس کا جواب دیتا ہے۔ قرآن کی متعدد آیات میں آیا ہے: ''وَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا''، ''وَقَالَ الَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا'' ان آیات میں مادہ پرستوں اور مشرکین کے تمام نظریات اور الزامات نقل ہوئے ہیں اس سے ظاہر ہے کہ قرآنی سوسائٹی میں افکار کا سنسر نہیں بلکہ افکار کے اظہار کی آزادی اور استدلالی گفتگو کا ماحول ہے۔ قرآن کریم میں آزاد اندیش اور کھلی فکر کے افراد کی تعریف کی گئی ہے۔ جو مختلف نظریات سے مطلع ہوتے ہیں اور پھر سب سے اچھے نظریہ کو اختیار کرتے ہیں۔

فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَہٗ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ ھَدٰھُمُ اللّٰہُ وَاُولٰٓئِکَ ھُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ۔

''مژدہ اور خوش خبری دو میرے ان بندوں کو جو بات غور سے سنتے ہیں اور جو بہترین ہو اس کو اپنا لیتے ہیں اور اس کی پیروی کرتے ہیں۔ یہ وہ ہیں جن کی اللہ نے خاص طور سے رہنمائی کی ہے اور یہ ہیں صاحبان عقل۔''

(سورہ زمر، آیت:۱۷)

''یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَہٗ۔'' کا مصداق اسی وقت ہوگا جب معاشرہ میں مختلف نظریات و افکار کو پیش کرنے کا موقع اور آزادی فکر و بیان کی فضا ہو۔

قرآن کریم خود پیغمبرؐ کی یہی خصوصیت بیان کرتا ہے کہ وہ مختلف نظریات سنتے تھے یہاں تک کہ منافقین کہنے لگے تھے کہ ''هُوَ اُذُنٌ'' پیغمبرؐ تو سراپا گوش ہیں، قرآن فرماتا ہے: ''قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ'' پیغمبرؐ کی یہ روش تمہارے لئے بہتر ہے۔یعنی آزادی بیان کی فضا ہی سب کے لئے خیر ہے۔

اسلام میں آزادی بیان کے حدود:

مندرجہ بالا شواہد سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ اسلام نہ تنہا آزادی بیان کا حامی ہے بلکہ آزادی بیان اسلام میں ایک مذہبی فریضہ اور واجب عمل ہے۔لیکن اس کا خیال رہے کہ اسلام میں آزادی وعقائد اور آزادی بیان کا تصور، اس تصور سے قدرے مختلف ہے جو آج مغربی لبرلیزم (Liberalism) میں پایا جاتا ہے۔

اسلام میں آزادی فکر اور آزادی بیان اللہ کی موہبت ہے، مغرب میں خدا کے مقابل انسان شورش کی علامت ہے۔اسلام میں آزادی بیان مذہبی فرض ہے، مغربی لبرلیزم میں صرف انسانی حق۔

اسلام میں آزادی بیان کے کچھ حدود ہیں، مغربی نظام میں بھی کچھ حدود ہیں۔مغربی نظام میں آزادی بیان کے حدود یہ ہیں کہ کسی فرد کی ہتک عزت یا تصادم کی حد تک نہ ہو۔اسلام میں اس کے ساتھ یہ حد بھی ہے کہ وہ کسی مذہبی پیشوا کی ہتک حرمت یا مقدسات مذہبی کا استہزا اور مذہب کے لاکھوں ماننے والوں کے دل دکھانے کی غرض سے نہ ہو، مغرب کی آزادی بیان کے نظام نے رشدی پیدا کئے، اسلام کی آزادی بیان کے نظام نے ابوریحان بیرونی۔دوسرا فرق یہ ہے کہ اسلام میں آزادی بیان کا مفہوم خواہش اور جنسی حیوانیت کی تبلیغ نہیں۔آزادی بیان انسان کی انسانیت کے جلاء کا ذریعہ ہے انسان کو جانور بنانے کا طریقہ نہیں۔

تیسرا فرق یہ ہے کہ چونکہ مغربی تصور آزادی صرف سیاسی، سماجی اور سیکولر بنیادوں پر استوار ہے اس لئے اس کے حدود صرف سیاسی قوانین اور معاشرتی ضرورتوں کے لحاظ سے متعین ہوئے ہیں۔مثلاً آزادی بیان، اسی تک جائز ہے کہ سیاسی قوانین کی خلاف ورزی یا دوسروں کے حقوق پر دست درازی نہ ہو۔مگر اسلام میں چونکہ آزادی بیان خدا کی موہبت اور امانت اور مذہبی فرض ہے اس لئے مذہبی حدود کا بھی لحاظ ضروری قرار پاتا ہے۔آزادی بیان اور قلم کا اسلام میں یہ مفہوم نہیں کہ جس مذہبی پیشوا کی چاہیں توہین کریں۔ایک فرد کی توہین پر تو ہتک عزت کا مقدمہ قائم ہوجائے مگر جن پیشواؤں سے کروڑوں انسانوں کے مذہبی جذبات وابستہ ہوں، ان کے مذاق اڑانے کی کھلی چھوٹ ہو، اسلام اس آزادی بیان کے ڈھکوسلے کا قائل نہیں۔

تلخیص مضمون

ہماری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ حقوق انسانی، آزادی فکر اور آزادی بیان کی تحریک اصولی طور پر اسلامی اصولوں سے ہم آہنگ ہے۔اسلام نے مغرب سے ہزار سال پہلے مدینہ کے پہلے نمونہ معاشرہ میں آزادی بیان کی وہ فضا قائم کردی تھی جس کی نظیر اب بھی پیش نہیں کی جاسکتی۔پیغمبر اکرمؐ، امیرالمومنین حضرت علیؑ اور دوسرے ائمہؑ کی

سیرت میں آزادی بیان کے بے نظیر نمونے سامنے آئے۔ ہاں جب سے جاہلیت کی قدریں اسلامی معاشرہ میں واپس آئیں اور فکری زوال شروع ہوگیا اس وقت سے گھٹن کی فضا پیدا ہوئی۔ موجودہ آزادی بیان کی تحریک سے ہمارے معاشرہ میں اجتہاد اور آزادی فکر، آزادی بیان اور آزادی قلم کی فضا پھر قائم ہوگی جو عین اسلامی تعلیمات کے مطابق ہے۔ ہاں! اسلام اور مغربی تصور آزادی میں کچھ بنیادی فرق پائے جاتے ہیں۔ مسلمانوں کو آزادی بیان اور حقوق انسانی کے اصول اپنانے میں اجتہادی انداز اپنانا ہوگا۔ کورانہ طور پر جو مغرب میں پیش کیا جارہا ہے اس کو لے لینا غلامانہ ذہنیت ہوگی، جو آزاد فکری اور حریت کی علامت نہیں۔

❁❁❁